

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ
سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز رہٹرز کے لئے آفر
بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ
کریں۔ آپ کے ناولز کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے
پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM

عشق نامتو

عنا بشہ چوہدری

عشق و عشق چھپانے نہیں چھپتا، لیکن عشق پکڑنے ہو تو بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ایک واقعہ نواب سراج الدولہ کی زندگی میں در آیا تھا۔ ہنگال کی سرزمین پر اس عشق نے کیا گل کھلایا وہ سبق آموز ہے۔ اس عشق کی مسخر آفرینی ملاحظہ کریں۔

تاریخ کے درپے سے ایک انوکھی داستان

بشو نہایت جوش و مسرت کے عالم میں مگر میں داخل ہوا تو دونوں بیویوں ملی اور ہوا کی کیفیت پر چمک سی گئیں۔ بشو اور جوش و مسرت اور قد و قامت کا حامل تھا۔ اس کے سر کا حجم بہت ہی نسبت کم تھا۔ کسی بھی جوش و ولولے میں یہ بہت مزیدار عمل کرتا محسوس ہوتا تھا۔

”کیا بات ہے پتا ہی؟ لگتا ہے آج آپ کے پاس کوئی بہت خاص خبر ہے۔“ منی نے اسے بخود ہیچے ہوئے کہا۔ اس کا چست جسم بے بہا حسن اور ناز و انداز قیامت خیز تھے۔

”ہاں! ہاں یوں کچھ لو کہ ہمارے دن بھر نے والے ہیں۔“ اس نے سر دوسے آگے بڑھ کر کہا۔

”یہ پتہ کار کیسے ہوگا؟ اب یہ بھی بتا دیجیے۔“ دوسری بیوی نے کہا۔ اس کا حسن بھی بلا نظیر تھا تاہم ناز و انداز میں بھی جوش نہیں تھا۔ آواز کی نفسی البتہ بے حد متحرک تھی۔

”مرشد آباد کے صوبے دار کی دردی خان نے اپنے نواسے مرزا احمد کی شادی بہت دھوم دھام سے کی ہے۔ سنے میں آیا ہے کہ شادی کی خوشی میں پورے مرشد آباد کی دھوئیں ہو رہی ہیں۔ محلے محلے اور گھر گھر میں کھانے، کھانچیں، جواہرات ہاتھ چار ہے ہیں۔“ بشو نے بتایا۔

”لیکن مرشد آباد میں تو چند ماہ پہلے تک مرہٹوں کے خلاف جنگ کی باتیں ہوتی تھیں۔“ بھو جھان ہوئی۔ وہ منی کی نسبت بیدار مغز اور دور رس تھوڑا سا کی مالک تھی۔ اس کی معلومات ہمیشہ مستند ہوا کرتی تھیں۔

”ہاں! ایسا ہی تھا لیکن اب وہاں جشن کا ماحول ہے۔ اب اصل بات سنو۔ اس جشن کے موقع پر ملک کے ہر گوشے مختلف فنکار گلاکار اپنی کار و اپنائیں دکھانے کے لیے شہر میں جمع ہوئے۔“

اور اندازہ لگاتے سے ایک جوہر نمودار ہوا اور ابتدائی تعارف و ایک سنگ کے بعد ان تینوں کو اندر لے گیا جہاں جہاز فائوسوں کے سامنے نہایت قیمتی اور عمدہ زیب فرش بچے ہوئے تھے۔ ہر سو آکات موسیقی بھی دکھائی دے رہی تھی۔ منہ پر ایک افادان ساٹھ سالہ شخص بڑھاپا تھا۔ اس کے سفید بال کھادے جھانک رہے تھے۔ آنکھوں میں تیز چمک تھی۔

”محض آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔“ جوہر کے قافلے پر نواب میر جعفر نے گہری نگاہوں سے بشو کا جائزہ لیا مگر اس کی نگاہیں عقب میں موجود چوڑی دار برقی پاجاموں اور دست کرکڑوں میں ملیں پتہ سالماں پر ٹھہر گئیں۔ وہ بشو کے بغیر ہی اس کی آواز کا عقیدہ جان گیا تھا۔

بشو نے دیکھ کر دونوں بیویوں کا تعارف کروا دیا تو میر جعفر کے لیے حیلہ ڈھونڈ کر کہا۔ اس نے بشو اور جوہر کو نشست گاہ سے باہر بھیجا اور دونوں لڑکیوں کے شباب کا امرت نوش کرنے لگا۔ جوہر نے یوں حاضری بے حد کائی کہ منکار اور بولہاں معلوم ہوا تھا۔ اس کے لیے اپنی طبیعت کا ٹکڑا دینا دیکھ کر دھواں ہوئے لگا۔ منی نے البتہ اس کی سبیل میں میر جعفر کی طرح حوصلہ افزائی کی تھی۔ میر جعفر بھی اس پر خوب فریاد دکھائی دے رہا تھا۔

اپنے مشغلے سے فراغت پا کر اس نے بشو کو اپنے پاس

طلب کر لیا۔

”ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ منی جیتم ہیں مرشد آباد میں ہمارے پاس رہے گی۔ اس قیام کے عوض ہم اسے پانچ سو روپے ماہانہ ادائیگی کریں گے۔“

میر جعفر کی اس پیشکش پر بشو کا محسوس خیر متوازن ہونے لگا۔

”اور اس کے لیے کیا حکم ہے نواب صاحب؟“ بشو نے ہر کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ بھی سنیں رہے گی بلکہ منی کی رہائش اور وقت داریاں ہم پوری کریں گے لیکن میری بس ایک ہی شرط ہے کہ ان تعلقات کا بچہ چاہیے نہ ہو۔“

مزید اور حوصلہ بہت اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ وہ بالکل درست مقام پر آیا ہے۔ اس کے بعد میر جعفر کے حکم پر محض رخصت و موسیقی کا آغاز ہوا جہاں منی اور جوہر تک اس کا دل بہلائی رہیں۔

بشو اور اس کی بیویوں کو میر جعفر کے محل میں رہنے ہوئے آپ کی روزیت تھے۔ دونوں لڑکیاں والد کی چاہات پر عمل طور پر عمل پیرا تھیں۔ انہوں نے میر جعفر کو اپنی اداس کے چال میں بے طرح چھاس رکھا تھا۔ وہ جو



دوسرے تیسرے روزان کے پاس آتا مطلق موسیقی کا انتظام کروانا اور پھر راتنام و گرام دے کر رخصت کر دیتا۔

ایک روز بشو کو میر جعفر کی جانب سے انفرادی ملاقات کے لیے طلب کیا گیا۔ واپسی کے بعد اس کا چہرہ شہید کی اور مختلف سوچوں کی آواز جھانک رہا تھا۔

”کیا بات ہے پتا کی؟ کیا کہہ رہا تھا وہ بڑھا گدھا“ متنی نے دریافت کیا۔
 ”وہ بڑھا گدھا کسی کوسڑی کی طرح نکار رہے میری بیٹی! اسے شاید اس بات کا احساس ستانے لگا ہے کہ وہ تم دونوں پر بہت زیادہ دولت لانے لگا ہے اس لیے تم سے بیاہ کا مسئلہ دیا ہے اس نے۔“ بشو نے بتایا۔
 ”کیا؟ دونوں سے بیاہ؟ لیکن ان کے دھرم میں تو ایک سے میں دو بہنوں سے بیاہ کیا ہی نہیں جاتا۔“ میر جعفر ان بولے۔

”اگر یہ لوگ اپنے دھرم چلنے تو آج.....“ بشو نے طر کرتے ہوئے حقیر اور جھوٹا اور پھر کہنے لگا۔ ”خیر چھوڑو!“

”تو آپ نے کیا جواب دیا ہے؟“ متنی نے استفسار کیا۔

”میں نے تو اسے بھی کہا کہ ہم کھانے کھانے والے لوگ ہیں۔ اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا کر اس کے حوالے کر دیں گے تو کھائیں گے کیا؟ جواب میں وہ کہنے لگا کہ تمہاری بیٹیاں محل میں ملکہ بن کر رہیں گی۔ بنگال کے سو بے دار کا بیٹوں کی تمہارا سر بٹنے والا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہے تمہیں؟“

متنی اور میر جعفر ان سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

بشو نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔
 ”میں نے اسے دھرم کے بارے میں بتایا کہ تم دونوں سے اکٹھا بیاہ کرے گا تو لوگ اس کے خلاف ہو جائیں گے اس لیے پہلے کسی ایک سے بیاہ کر کے پھر دوسری کے بارے میں دیا کرے۔“ نواب کو میرا یہ شعور پسند آیا۔
 اس نے متنی سے بیاہ کی رضامندی دی ہے۔

بشو کی یہ بات سن کر متنی کے چہرے پر چمک رہی تھی۔ آٹھویں احساس تھا ضرور اسے جس کا اسی تھیں۔ میر جعفر اس شادی میں بالکل تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ متنی کو بہر صورت اپنے حرم کا حصہ بنانا چاہتا تھا۔ دوسری جانب بشو کے ذہن

میں اب ایک اور منصوبہ پروان چڑھنے لگا تھا۔
 ☆☆☆

بشو کے درختے میں کھڑی اتنی کی دھڑکیوں میں نظر میں بتانے کی گہری سوچ میں مگن۔ اس کے چہرے پر انشرو کی اور بھوکہ کے رنگ بھی نمایاں تھے۔ میر جعفر اور متنی کی شادی طے ہو چکی تھی۔ اس بات نے بشو کے دل پر گہری لگائی تھی۔ وہ حسن و جمال میں کسی بھی صورت متنی سے کم نہ تھی۔ اس کے باوجود میر جعفر نے اسے اپنے حرم کا حصہ بنانے کا فیصلہ کر کے جو کہ نسوانی دھوکہ کو چٹ پھینکا تھا۔ وہ بھی بہن سے کسی قسم کے حسد میں مبتلا نہیں تھی البتہ چند مصروف ہونے کا دھوکہ اسے بدل کے ہوئے تھا۔ بہترین پڑا سائش زندگی کی کھینچوں کے جبر صحت اور خوشی کے خواب تو اس نے بھی گئی بار دیکھے تھے۔ اب یہ خواب شرمندہ تعبیر ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ گئے تھے۔

ان خیالات میں غرق ہو کر اندازہ ہی نہ ہوا کہ بشو کس لحاظ سے اس کے مقابل میں چلا آ رہا ہے۔

”کیا سوچ رہی ہو متنی؟“ اس نے خاموش سے دریافت کیا۔

”میرے ساتھ یہ اٹھائے (اندھائی) کیوں پتا ہی؟“ وہ بڑھتی ہوئی انداز میں بولی۔
 ”کیا اٹھائے؟“ اسے اچھٹا ہوا۔

”کیا میں اس قابل نہیں کہ کوئی نواب میری محبت میں گردن آ کر ہو سکے۔ مجھے سب کے سامنے اپنا سکہ بھجوانی چاہیے۔ تمہارے مہارانی بنا کر رکھ سکے۔“ اس کا انداز مزید بڑھ گیا۔

”ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟ تم اس سے بھی نہیں زیادہ کی حق دار ہو۔“ بشو نے پکارا۔

”تو کیا میں اسے نواب میر جعفر نے میری بجائے متنی کو بیاہ کے لیے جان لیا؟“ وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔

بشو کے لیے اپنی دلی کیفیات کی ترجمانی اب بھی بہت مشکل ثابت ہو رہی تھی کہ اسے چاہئے اور یا نہیں جانے کی قضا مشعل میں جلا کیے ہوئے ہے۔ وہ اپنے جذبات و جوانہ دار کی یہ پھر اور گردن بٹا رہی تھی۔

”تمہارا بھائی (قسمت) اس سے بھی زیادہ روشن ہو گا۔ میں تمہارے لیے ایک بندوبست کر آ رہی ہوں۔“ وہ متنی کی طرف سے بولا۔

بھائی بابائی آنکھوں میں حیرت کوئے والہ کو دیکھنے

گئی۔ بشو بھی آواز میں کہنے لگا۔

”آج محفل رقص میں بنگال کا ولی عہد مرزا احمد آئے گا۔ اگر تم سے لیا تو قسمت میری ہی ہو جائے گی۔“

”مرزا احمد کی تو ابھی کچھ سے پہلے ہی شادی ہوئی ہے۔ وہ میری اور کیسے کچھ؟“ بشو کو لاپرواہی ہوئی۔

”وہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو اور بس وہ کرتی جاؤ جو میں کہہ رہا ہوں۔“ میر جعفر نے تاکید کر دی۔ مرزا احمد پرانے حسن کی ایسی بجلیاں گرا کر کہ وہ دوبارہ ہوش میں نہ آ سکے۔ ”اس نے کھجیا۔“

ہونے بدلتی سے سر ہلایا اور بناؤ سنگھار میں مصروف ہو گئی۔ اس شام میر جعفر نے محفل رقص کا خصوصی بندوبست کیا ہوا تھا۔ متنی نے اپنے رقص سے اسے بے خود کر دیا۔ اسی آنکھ میں مرزا احمد اور اس کے حلقے دینے کی آمد کا غلط انداز ہوا۔ میر جعفر و حنا کی اور بے نیازی سے وہیں براجمان رہا۔ مرزا احمد محفل کا اعزاز متنی کی لیے پاکی اور میر جعفر کی ڈھٹائی دیکھ کر ایک وقت لخت و جھش محسوس کرنے لگا تاہم وہ اپنے حراج میں غالب مروت اور چند بہہ ہمدردی سے مجبور ہو کر اسے کوئی سخت بات نہ کہہ سکا۔

”میرزا احمد؟ کیسے آنا ہوا؟ اب آہی مجھے ہو تو اس محفل رقص سے بھی لطف اٹھو ہو۔“ واللہ ایسا نکال کا رقص میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“ وہ سرور کے عالم میں کہنے لگا۔

”بس ایک مجبوری نہیں یہاں لے آئی ہے۔ ولی عہد مقرر کرنے کے بعد آنا جان لے میں آپ سے پہ سالاری کی عملی تربیت حاصل کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ بس اسی تربیت کی جگہ میں یہاں چلے آئے تھے ہم لیکن یہاں تو رنگ ہی ترالے ہیں۔“ وہ جڑ بڑھ کر بولا۔

”آپ بالکل درست جبکہ اور درست وقت پر حریف لائے ہیں صاحبزادے!“ وہ شیرینی سے مخاطب ہوا۔ ”تربیت حاصل ہو کر اور تو یہی ہے۔ مٹی اور مٹی امور نہیں سرکھاتے دیکھنے کے بعد فرحت و سکون نہیں ملتا ہے۔“

مرزا احمد میر جعفر کی اس بے باکی پر شہیدانہ مشغول محسوس کرنے لگا۔ اس کے ہونٹوں سے گل بشو وہاں چلا آیا اور میر جعفر سے اجازت لے کر ولی عہد کی دلی پشتوری کا انتظام کرنے لگا۔ اس کے دیکھنے ہی دیکھتے بشو نے جو کو وہاں طلب کر لیا۔

وہ ایک انتہائی لہر تھا۔ ولی عہد کی دیدنے بشو کو یکدم

ہی وادی میں جتا کر دیا تھا۔ مرزا احمد کا شخص تاثر حسانت اور چوکار اعزاز ایک ہی پل میں جوئے دل میں گھر کر گیا۔ اس نے آداب محفل کے تحت میر جعفر کے دور و سر جھانکنا اور دونوں محفلوں کے گل بیٹھ کر اس کے دائیں ہاتھ کو بوسہ دے دیا۔ اس کے بعد وہ اسی وادی کے عالم میں آگے بڑھی اور مرزا احمد کے سامنے جاتی تھی۔ مرزا احمد نے اضطرابی طور پر اپنا ہاتھ بٹل میں دبایا۔ ہونے حیران کن حیرت فزائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ولی عہد کا پایاں ہاتھ تھا اور بوسہ دیت کر دیا۔

مرزا احمد اس کے لمس کی حدت و حقیقت متنازعہ انداز اور بے اختیاری پر دنگ تھا۔ اس کے بے خودی اس نے بھی نہیں نہ دیکھی تھی۔ اسی بے اختیاری میں مرزا احمد نے اپنا ایک بیچ پار فضا میں اچھال کر جو کہ ایک جانب بڑھا دیا اسے اس نے ماہر انداز میں اپنی گرفت میں لے کر رقص انداز میں سر تسلیم خم کر دیا۔ مرزا احمد اس اداس اپنا دل مزید مکمل محسوس کرنے لگا تاہم میر جعفر کی موجودگی اور اپنے ذاتی وقار نے اسے مزید پر مجبور کیے رکھا۔

اس کے بعد متنی اور ہونے رقص کا شاندار مظاہرہ کیا۔ ہونے اپنے رقص سے مرزا احمد کو ایک بار میر سے خود ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کی آواز کا سوز بڑا، راست دل پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ مرزا احمد کو اپنا دل تفرہ تفرہ چھٹا محسوس ہونے لگا۔

رقص کے اختتام پر میر جعفر نے اپنی مشکو نظر متنی کو بے بہا انعامات سے نوازا۔ جو فاضل سے ایک جانب کھڑی رہی۔ مرزا احمد کو اس پر ترس سا آنے لگا۔ بشو نے اس کی یہ کیفیت بھانپ لی اور شاطرانہ انداز میں کہنے لگا۔
 ”گنا ہے شہزادہ محترم یہاں اپنی طبیعت پر جبر کیے بیٹھے ہیں۔ انہیں ہمارا رقص پسند نہیں آیا۔“

مرزا احمد اس کا دم کا کچھ گیا اور حسانت سے بولا۔
 ”بھاری یہاں آداس مقصد کے لیے نہیں ہوئی تھی۔ سرور سے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ دل و دماغ میں شہید سناں کا سوا سنا ہے۔ پہلے وہ میدان سچ کا ضروری ہے۔“

جو کی نظر میں ہنوز اس پر مرکوز تھیں۔ وہ اس کی ہر ایک جنبش کو دل پر نقش کر رہی تھی۔ اس کی سماعت میں میر جعفر کے الفاظ پڑے جو متنی فخری سے کہہ رہا تھا۔

”ہمارے ہوتے ہوئے خود کو گناہ کیوں محسوس کر

رہے ہیں شہزادہ و محترم؟ ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے وہ آپ کے ہانا حضور کا حق دیا ہوا ہے۔ ہم آپ کی جانب سے تحائف ادا کریں گے۔"

مرزا احمد خان پوٹھی سے واپس ہو گیا۔ اس کی نظر میں خنوز جو کہ سراپا اور درویشی میں الجھی ہوئی تھیں۔ مرزا احمد کی یہ نظریں بڑبان خاتون کی وجہ بہت کچھ بھانسنے لگیں۔

نسوانی حصہ بھی اس کا گریز نہ تھا۔ اس کا دل یکدم بچھ گیا۔

یہ جراب ہے۔ وہ کسی کے بھی ہوش و خرد کا کسم پرسی کرتی ہے۔
 بھی بھی نہیں ایسا لگتا ہے کہ ان دونوں بھجوں کو سر پہنوں
 نے کسی مخصوص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے۔ ہم نے اسی
 لیے مٹی سے شادی کرتی تاکہ ان کی چال انہی پر لوٹا نہیں۔"
 میر جعفر کے اس انکشاف پر لطف النساء تیزاً ہو کر رو
 مچی۔ اس رات مرزا محمد اور لطف النساء میں بہت بحث
 ہوئی۔ یہ بحث سچائی اور ہجر کی روزِ یک ان میں بن واصل
 رہی۔ انجام کار مرزا محمد نے ہونے سے آئندہ ملاقات نہ کرنے
 کا فیصلہ کر لیا۔

بہت ناگوار کر رکھا تھا۔ اسے کسی بھی پلی سکون مل کر بھی نہیں دے رہا تھا۔ زمین کے نہاں تانوں سے بچ کر خیال بھی مضطرب رکھا تھا اس کے بازو اور ایک بے نام کی غلط میں جکڑا رکھے گئے تو وہ ایک شب اس سے ملاقات کے لیے چلا گیا۔

رہیں گے؟

”تو اس میں حرج کیا ہے؟“ مرزا احمد بک گیا۔
اسے ہو کے اندر گھٹکتو سے اب کوفت ہونے لگی تھی۔

”حرج یہ ہے کہ ہمارے اس رشتہ کو کوئی نام دے
دیجئے جیسے مٹی کو میر جعفر نے دیا ہے۔“ اس نے دل کڑا کر
کہہ دیا۔

”ہم لطف انشاء کی موجودگی میں شادی کیسے کر سکتے
ہیں؟“ مرزا احمد نے قدرے رعونت سے جواب دیا۔

”جس طرح لطف انشاء کی موجودگی میں ہم
ملاقاتوں کے لیے آتے ہیں۔“ بیوے نے بڑبڑ کر کہا۔

”اپنی حد تک رہو!“ وہ بھڑک گیا۔

”میں اپنی حد ہی تو جانتا جا رہا ہوں شہزادہ محترم!
مجھے بتا دیجئے کہ آخر ہمارا کیا رشتہ ہے؟“ اس نے آزدی
سے جواب دیا۔

”ہمارے درمیان وہاں کوئی رشتہ قائم نہیں ہو سکا
جیسا تم سوچ رہی ہو تم ایک طوائف ہو اور میں تمہاری حد
ہے۔“ مرزا احمد نے درشتی سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”برا حساس تو ہیں سے شل رہ گئی۔ اس کے لیے ایک
فیصلہ پر پہنچنا بہت آسان ہو گیا تھا۔“

☆☆☆

مرزا احمد کے لیے ہر جانب سے مشکلات میں اضافہ
ہو رہا تھا۔ ذمہ خوروہ میر انشاء نے میر جعفر کے سامنے کر کے

زادری کے بعد مرزا احمد کے خلاف مد و طلب کی۔ میر جعفر بھی
وردی خاں سے خائف ہونے کے باعث کوئی بھی براہ

راست قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس نے میر انشاء کو اپنی
حفاظت کے لیے فوج تیار کرنے کا مشورہ دیا۔ میر انشاء نے

اس مشورے پر تنبیہ کی سے عمل کا آغاز کر دیا۔

دوسری جانب بیوہ کی اپنی ڈیڑھی اتار دیکر درج چڑھات
سے مطلوب ہوئی تھی۔ مرزا احمد کے دروئے اور گریز نے اسے

بیک دم ہی کسی انتہائی کارروائی پر مجبور کر دیا۔ یہ انتقام میر
جعفر سے شادی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا؟ میر جعفر اس کی

رضامندی پر بے حد خوش تھا۔ اس بات کی بھی پروا نہیں
تھی کہ عوام الناس میں اس غیر شرعی شادی کی بابت چہ

منگوئیاں ہو رہی ہیں۔ وہ بیوہ اور مٹی کو لے کر مرزا احمد کی
رہائش گاہ پر چلا گیا۔ متعدد بہر حال میں تھا کہ اپنی دونوں

بیمات کو لگن میں خواتین سے متعارف کروا کے راہ و رسم
بڑھائی جائے۔

میر جعفر کا یہ حربہ کامیاب رہا۔ مرزا احمد نے بیگمات کو کسی
بھی بے تکلفی سے منع کر رکھا تھا۔ اس نے جو کام سامنا بھی

خاصی بے نیازی سے کیا۔ اسے یہی شادی سے کوئی غرض
نہیں پڑا تھا۔ جو کے دل پر ایک اور چکر میں اضافہ ہو گیا۔

اس جعفر لیکن کرناک ملاقات کے بعد جو کے عجب دروج
میں گئے ڈھم ڈھم کیسے دینے لگے۔

☆☆☆

میر جعفر کے حرم کا حصہ بننے کے بعد بیوے نے کئیوں
اور خواہجہ سراؤں سے معلومات کے حصول میں مزید تیزی پیدا

کر دی۔ اسے مرشد آباد کی لمحہ بہ لمحہ بدلتی صورت حال سے
کھل آگئی تھی۔ وہی دوری خاں کی زندگی کا چار اڑھائی

ہو گیا تھا۔ اس نے وفات سے پہلے مرزا احمد کی عمر یوں
پر غصہ بھروسہ نہ کرنے کی وصیت و نصائح کیے اور اسے چاشنی

کے ساتھ مرزا احمد کے خطاب سونپے اور اپنے آخری ستر
پر روانہ ہو گیا۔

میر انشاء نے اس کا اقتدار بالکل تسلیم نہ کیا اور اپنی
پہلے سے منع کردہ فوج کے ہمراہ اس کے بچا زاد بھائی

”شوکت جنگ“ کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ شوکت جنگ
بیکال کی صوبے واری کا وزیر تھا۔ وہی حکومت نے اس

موقع پر ایک مضبوط فوجی قلعہ ساہو کرتے ہوئے شوکت جنگ
اور مرزا احمد کے درمیان کوئی بیکال کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔

یہ نسل بہر گز دتے دن کے ساتھ کسی جنگ کا پیشہ نہایت
دوڑی دکھائی دے رہی تھی۔

اسی دوران جو کلم ہوا کہ میر انشاء نے اپنی فطرت
سے مجبور ہو کر ”میر“ پر علی نامی ایک اشرے سے مراد قائم کر

لیے ہیں۔ جو کے ہونٹوں پر ایک سحر انگیز لہجہ رکھ گئی۔
اسے مرزا احمد کی جانب سے طوائف اور شریعت زادری کا

موازنہ یاد آ گیا تھا۔

پھر غرضی کہ میر انشاء نے مرزا احمد کی والدہ آمنہ
بیگم سے محبت نہایت کے بعد غرضی کے لیے پروانہ راہ

واری کا جنازہ کروا دیا اور اسے وہی روانہ کر دیا۔ اس کے
بعد میر انشاء سوئی جھیل کا قلعہ خالی کرنے پر مجبور ہو گئی۔

مرزا احمد نے اسے حراست میں لے کر اس کا مال و
دولت کچھ صوبے دار چھوڑ کر لیا۔ میر انشاء مکمل طور پر چوٹ

کھائی ہوئی ناگن بن چکی تھی۔ ان حالات میں جو کے دل
میں اس سے ملاقات کی خواہش بھگنے لگی اور جلد ہی جو کو یہ

میر انشاء سے ملاقات آگئی واکشفاقات کا ایک نیا
سلسلہ قائم ہوا۔ اسے کچھ ہی دیر میں اعزاز ہو گیا کہ

میر انشاء مرزا احمد کے خلاف شدید بغض دہانے لگی
ہے۔ اس نے میر جعفر کو بے لکھوں میں انگریزوں سے راہ

رسم بڑھاتے رہنے کی تجویز بھی دی۔ مرزا احمد کے متعلق
میر انشاء کی نفرت اور جہد بہ انتقام دیکھ کر جو کے لیے اپنا

کرب خطبہ کرنا خواہاں ہونے لگا۔ اس نے موقع ملنے ہی
مرزا احمد کو ایک خط لکھ کر بھجوا دیا۔

”شہزادہ حضور! ہوشیار رہو۔ یہاں آپ کے
ظروف بہت ہی سازشیں تیار ہو رہی ہیں۔ آپ کی غالہ نے

انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ ان دونوں فریقین میں خفیہ
خط و کتابت بھی جاری ہے۔ اس فتنہ سے نمٹنا اب آپ کی

ذمہ داری ہے۔“ مختصر نام
خط کے آخر میں یہ الفاظ درج کرتے اس کے دل

سے کئی بار ہوک بڑھ رہی تھی۔ اسے قوی امید تھی کہ مرزا
احمد موجودہ صورت حال سے فتنے کے لیے کوئی نہ کوئی راہ

ضرور نکال لے گا۔ دوسری جانب میر انشاء کے بغرضانہ سے
آگاہ ہوتے رہنے کے لیے بیوے اس سے راہ و رسم میں

اضافہ کر دیا۔ وہ بھی کے مراد اکثر اس سے ملاقات کے لیے
چلی جایا کرتی۔ اسے اکثر اعزاز ہو گیا تھا کہ مرزا احمد

میر جعفر پر براہ راست کوئی پابندی عائد نہیں کر سکتا۔ اس کی
جہل و اجاس کے حراج میں مراد و لحاظ کے تناسب کا غلبہ تھا

جو کسی بھی حکمران کے لیے ممکن حد تک خطرناک جاہت ہوا
کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ شوکت جنگ سے

اختلافات اور کچھ اسراء کے راست بدل لینے کے بعد وہ میر
جعفر جیسے اعلیٰ عہد دار کو اپنے خلاف نہیں کرنا چاہتا تھا۔

حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ شوکت جنگ
نے خاندانی کی تیار کر لی۔ اسے میر انشاء اور انگریزوں کا

کھل تعاون حاصل تھا۔ مرزا احمد کے مختلف مخالفوں پر بے
طرح معصوف تھا۔ اس نے انگریزوں کے خلاف اپنے

دشمنوں کی پشت پناہی کرنے کی پاداش میں پہلے قاسم بازار
پر چڑھائی کر دی۔ یہ بازار مرشد آباد کے جنوب میں

قدوسے قاسمے پروانچ تھا۔ پرچا قوی تھوڑی کھیتی کی فیکٹری
ایک شاندار قلعے کے اندر واقع تھی۔

مرزا احمد کی یہ پٹھان کا سیلاب رہی۔ اس نے قاسم
بازار پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ انیس چکا تاہو لکھنؤ تک

لے گیا اور وہاں بھی ایک کامیاب معرکے کے بعد انہیں ہٹا

ہوئے پر مجبور کر دیا۔ شوکت جنگ سے لڑائی میں بھی اس کا
بلہ بھاری رہا۔ میر جعفر بیک سے خیریں تسلیم سے بچ رہی

تھیں۔ یہ بھی ان حالات سے بے خبر نہیں تھی۔ وہ مرزا
احمد کی خیریت اور کامیابیوں کے بارے میں ہمیشہ دعا گو

رہتی۔ اس کا کافی ارتکا صرف اس کی جانب مبذول رہتا۔
دوسری جانب وہ میر جعفر کو بھی کھات ہوشیاری سے اپنے

دام میں کھاتے ہوئے تھی۔
ایک دو چہرہ میر جعفر قدرے پڑمردگی میں اس کے

پاس آیا اور کہنے لگا۔
”آج ہم تمہارا رخص دیکھنا چاہتے ہیں بھو آج

ہمیں بالکل تازہ دم کرو۔ مرشد آباد اور لکھنؤ سے آنے والی
خبروں نے ہمیں بہت الجھا یا ہوا ہے۔“

”حضور! میری جان بھی آپ پر قربان“ وہ بھر پور
ملاکت سے بولی۔ ”لیکن ابھی میں بچہ باکے لیے متدرجا

رہی ہوں۔ میں نے آپ کی سلاخی اور کامیابی کے لیے
بہت (دروہ) رکھا ہوا ہے۔ اس میں بچا کرئی بہت

ضروری ہے۔“
جو کے تھانے پر میر جعفر کی آنکھیں چمک چمکیں۔ اس

نے بڑی محبت سے بھوکا تھا تھا اور اسے اپنی آغوش میں
سمیٹ لیا۔

”اپنی فکر کرئی کی وجہ ہماری؟“ وہ اس کی زلفوں میں
انگھیاں بھیرتے ہوئے بولا۔

”آپ ہی تو میرے بچے پر بیٹھو (مزاحیہ خدا) ہیں۔
آپ کے لیے یہ سب نہ کروں تو اور کس کے لیے کروں

گی؟“ وہ شیرینی سے کہنے لگی۔ ”اچھا! مجھے بچہ باکے لیے ذرا
دیر ہو رہی ہے۔ اس کے بعد میں اپنے کفن رقص سے آپ کی

یہ تھکاؤت دور کروں گی۔“
میر جعفر بھوک اس اوپر نہال ہو گیا۔ بیوے نے اپنے

مزاج کے ٹکڑ پر کامیابی سے قابو پا کر اس کے مخصوص حصے
میں اپنے لیے بنائے گئے ایک مختصر معطر میں چلی گئی۔ موثری

کے ساتھ ساتھ جوڑ کر پٹنے کے بعد اس کی آنکھوں سے آنسو
رواں ہو گئے۔

”ہے بھگوان! جو دونوں کے داغ جاتا ہے۔ میرے
دل میں صرف مرزا احمد کا پریم بسا ہے۔ مجھے صرف اسی کی فکر

سنائی ہے۔ یہ بہت اور بچا صرف اسی کے لیے ہے۔ اسے
مٹوٹا رکھنا اور بہت بہادر ہے لیکن وہ ان بھی ہے۔ بہت

مجھدار ہے لیکن احتیاط کرنے میں غلطی بھی بہت جلد کر لیتا

ہے۔ اسے ہمیشہ کامیابی ہی دیتا۔ اس کی ہر مشکل آسان کرتا۔
وہ مورتی کے آگے سر جھکائے بے آواز دعا میں مانگتی رہی۔ آنسو کی آبیاری کا منہ بہرہ رہے تھے۔ چہرے پر شدید جذب کا عالم تھا۔

☆☆☆☆

سراج الدولہ کی کامیابیوں کا سفر جاری تھا۔ اس نے شوکت جنگ پر حملہ کے بعد اسے شکست دینی اور اسے ہلاک کر کے اس فتح سے دائمی طور پر نجات حاصل کر لی۔ ہر اقسام کی نگرانی میں سختی کر دی گئی۔ اسے کسی خاتون سے ملنے کی اجازت بھی نہ تھی۔

یہ معاملات ابھی عمل میں ہونے نہ پائے تھے کہ برطانوی فوج کی مدد اس سے روائی کی اطلاعات ملنے لگیں۔ اس فوج کا قائد امیر انگریزوں تھا۔ اس کا نائب کانہ بھی کافی پر جوش اور پر عزم سپاہی تھا۔ وہ انگریزوں کے علاوہ سکھوں کے ساتھ ساتھ بھی اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے بے شمار پابندیوں میں گھری ہر اقسام سے کسی نہ کسی طور رابطہ کیا اور اسے فوجی اہلکاروں سے ساتھ ہانک کے لیے راضی کر لیا۔

ہر اقسام کی تو گویا مراد پائی۔ اس کے سراج الدولہ کی والدہ آمنہ بیگم کا جذباتی استحصال کیا اور میر جعفر سے ملاقات کی اجازت حاصل کر لی۔ میر جعفر کی رہائش گاہ میں اس کی ملاقات پہلے ہی اور ہو رہی تھی۔ ہر اقسام نے جو سے خاموشی سے روک دیا۔ اس کی مخصوص نسوانی حس جو کہ سراج الدولہ میں دلچسپی بھانپ گئی تھی۔

جو کہ موقع سے پیچھے کے بعد ہر اقسام نے میر جعفر کے سامنے کانہ کی پیشکش رکھ دی۔ وہ اسے اپنی مدد کے عوض بیکال کا سوے دار بنانا چاہتے تھے۔ میر جعفر نے کانہ کے پاس اپنا نام لکھ کر پیچھے کاٹ لیا تاہم اسے یہ موقع مل ہی نہ سکا۔ چونکہ اس سے پہلے ہی سراج الدولہ تک مخصوص انداز میں پانچا خط لکھا تھا۔

”آپ کی خالہ اور میر جعفر کی صلاحیتوں سے میں معصوف رہنے لگے ہیں۔ وہ اپنی گفتگو میں مجھے شامل نہیں کرتے لیکن میں نے کئی بار انگریزوں اور کانہ کا ذکر سنا ہے۔ حالات بہت بگڑ رہے ہیں۔ آپ کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ عشق نا تمام۔“

سراج الدولہ نے فوری طور پر جوابی کارروائی کرتے

ہوئے میر جعفر کو کہ سالاری کے عہد سے سکندرش کر کے یہ عہدہ میرمدان کے حوالے کر دیا۔ میر جعفر اور اس کے بیٹے میران پوچہ جاد مقرر کر دیے گئے۔

دونوں باپ بیٹا اس نظر بندی پر سخت مشتعل تھے تاہم ایک بات انہیں قدر دے سکتی تھی کہ وہ فوجی سردار سراج الدولہ کے لیے کہیں نہ کہیں مشکلات کھڑی کرتے رہا کریں گے۔ اور ہوا بھی کہیں۔ ان فوجی سرداروں کی غداری اور پیدائش کے مسائل کے باعث سراج الدولہ کو چند عرصے میں کانہ سے معاہدہ امن کرنا پڑا جس کی رو سے ایک انگریز سپر مشنریا میں مقیم ہو گیا۔

یہ معاہدہ سراج الدولہ کی زندگی کی بھیاک اور بھلک لکھی ثابت ہوا۔ اس انگریز سپر مشنری نے مرشد آباد آتے ہی میر جعفر سے ملاقات کی۔ میر جعفر نے اسے یقین دلایا کہ وہ صوبے واری کا عہدہ حاصل کرتے ہی بیکال سے انگریزوں کے دشمن فراموشیوں کے کارخانے اور کوششیں تیار ہوں گا۔ ہار کے دے گا۔ شکست اور قاسم بازار کے حلوں میں انگریزوں کے نقصان کا تادان ادا کرنے کے بعد شکست کے گرد و نواح میں انہیں زمینیں فراہم کرنے کا منصوبہ بھی دیا۔ کانہ نے خصوصی طور پر معاہدہ تیار کر دیا اور میر جعفر سے قرآن پاک پر حلف لیا کہ وہ ہر صورت نگرانی مفادات کا تقویت دے گا۔

میر جعفر نے ایک ہاتھ قرآن پاک اور دوسرا ہاتھ اپنے بیٹے میران کے سر پر رکھ کر قسم کھائی کہ وہ معاہدہ کی ہر شرط پر پورا اترے گا۔ واری سے مل کر کہے گا۔ میر جعفر کے بعد کانہ نے سراج الدولہ کے ایک مستعد کاروباری امیر کی چند سے بھی ساتھ ہانک کر لی۔ ان کامیابیوں نے کانہ کے خزانے میں فراغت سوا کر دی۔ اس نے شکست سے مرشد آباد فوج کشی کا آغاز کر دیا اور اس فوجی قادی کا جواز دیا کہ سراج الدولہ اور انگریزوں کے مابین اختلافات شدید ہوتے جا رہے ہیں لہذا ان کا منتفی مل کشا بہت ضروری ہے۔

سراج الدولہ ایک بار پھر توجہ دیکھ کر جلا ہو گیا۔ اس پریشانی میں اسے اور کچھ نہ سمجھا تو میر جعفر کے پاس چل دیا۔ اسے بھی اس بات کا اندازہ تھا کہ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اسے میر جعفر جیسے تجربہ کار کارکنوں کی سالاری کی ضرورت ہوگی۔ وہ اپنا جانی کھد کر کے میر جعفر کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔

☆☆☆☆

فروری 2023ء

یہ اپنے بستر پر مروتی سے لیٹی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں اور غم کے رنگ نمایاں تھے۔ بستر سے بھی شدید اضطراب جھک رہا تھا۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھے تھی ہی وریک سانس لیتی رہی۔ اسی اثناء میں میر جعفر کی آواز راحت میں پڑی تو اس کے وجود میں بھی سی جھپٹ پیدا ہوئی۔

”سہا بات ہے ہماری پوریانی؟ اتنی اداس کیوں ہو؟“ میر جعفر نے پچھا۔
”اتنے دنوں سے آپ سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔ دل نہیں لگ ہی نہیں رہا تھا۔“ وہ غصہ سے مسکرائی۔

میر جعفر اس اوپر کمال دکھائی دینے لگا۔
”تمہاری صحت اور دعا میں ہی تو ہیں جو ہمیں ایسی باتیں یقین کامیابیاں دلا رہی ہیں۔“ اس نے غصہ سے مسکرا کر کہا۔

یہ سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ میر جعفر لمبی توقف کے بعد سلسلہ کلام کا آغاز کرتے ہوئے گویا ہوا۔ ”ہماری نظر بندی کا تو ہمیں علم ہوا ہی ہوگا۔“
”جی ہاں اسی لیے تو جان پر ہنسی ہوئی تھی۔“ ہونے پر بے تابی بتائی۔

”نظر بندی کے دوران سراج الدولہ خود ہی ہمارے پاس چلا آیا۔ ہم جانتے ہیں کہ اس کے ذہن میں یہی خیال چن رہا تھا کہ ہمیں ناراض نہ کیا جائے کیونکہ انگریزوں سے جنگ کرنے کے لیے ہم جیسے تجربہ کار سپہ سالاری کی ضرورت ہے۔“ اس نے غصہ سے بتایا۔

”اوہ..... پھر..... پھر کیا ہوا؟“ جو اپنے ولی اضطراب کے باوجود مصنوعی عصب سے پوچھنے لگی۔

”سراج الدولہ کی حالت قابلِ دہش تھی۔ اس کی فطری تپتی اور طراری کہیں غائب ہی ہو چکی تھی۔ بہت سست اور مایوس دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تھائی کے علاوہ کوئی بھی رنگ نہ تھا۔ ہم نے پوچھا تاہم کے لیے کوئی نیا حکم؟ تو تفصیل ہو کر کہنے لگا۔ آپ ہماری فوج کے سپہ سالار ہی نہیں ہمارے پھوپھا بھی ہیں۔ خون کے اس رشتے کے ہاتے سے وقت میں صرف آپ ہی ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں۔“

”جی جی..... چاہا۔“ ہونے سے سفاک لایا۔

میر جعفر محفوظ انداز میں مسکرایا اور کہنے لگا۔ ”ہم نے بھی جیالیوں پر بڑا اثر ہے اس کی پشت چھتھاری اور کہا

آپ جاتے کیوں ہمیشہ ہماری جانب سے بدگمانی رہے ہیں؟ حالانکہ ان خفیہ نام فرنگیوں کی آپ کے سامنے کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔ آپ نے ہر مقام پر ہمارے ساتھ زیادتی کی۔ ہمیں سپہ سالاری سے شکایت کیا؟ نظر بند کر دیا۔ ہم نے بھی بس سب کچھ وقت پر چھوڑ دیا۔ اب دیکھ لیجئے وقت بہترین منصف ثابت ہوا ہے۔ جواب میں وہ کہنے لگا پرانی باتیں بھلا دیجیے پھوپھا جان! ایک نئے سرے سے ان تعلقات کا آغاز کرتے ہیں۔“

سرت سے ان لحاظات کو دہراتے میر جعفر کے پردہ تصور پردہ لحاظات اجاگر ہو گئے جب سراج الدولہ نے کلام پاک طلب کر لیا تھا۔ اس نے قرآن پاک اپنے سر پر رکھا اور حلفیہ طور پر کہنے لگا۔ ”ہم صوبیدار بیکال مرزا محمد سراج الدولہ نے عہد کرتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے پھوپھا میر جعفر کے وفادار رہیں گے اور زندگی کے آخری لمحات تک ان کا ساتھ نبھائیں گے۔“

اس کے بعد میر جعفر نے بھی قرآن پاک دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور حلف اٹھا کر کہا۔ ”ہم میر جعفر عہد کرتے ہیں کہ ہمیشہ سراج الدولہ کے وفادار رہیں گے۔ اس وفاداری میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔ اس عہد میں بے وفائی پر خدا ہمیں کسی عذاب میں مبتلا کر دے۔“

یہ بڑی کامیابی سے خوشی و جوش کا اظہار کرنے لگی۔ میر جعفر کچھ دیر حریف قیام کے بعد وہاں سے رخصت ہو گیا۔ بڑی پریشانی اور رنج سوا رہی تھی۔ اسے سراج الدولہ کی جانب سے بھی شدید تشویش لاحق تھی لیکن وہ دعاؤں کو گڑانے اور آواز دہرائی کے سوا کچھ کیا سکتی تھی؟ وہ چشم تصور میں سراج الدولہ کی کامیابی اور فتح کے مناظر دیکھتی رہی لیکن میدان جنگ کے حالات نہ نہر تھکتے تھے۔

دو طرفہ گولا باری میں سراج الدولہ کے وفادار ترین سپہ سالار میرمدان کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی اور وہ داغ مفارقت دے گیا۔ سراج الدولہ شدید فطرتی محسوس کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد مولا دھار پاشا کا آغاز ہو گیا۔ میدان جنگ میں جھکی بارود بھج کرنا کارہ ہو گئی۔ دوسری جانب کانہ نے اپنے بارودی ذخائر پانی کی دست برد سے محفوظ کر لیے تھے۔ سراج الدولہ نے فطرتی کے عالم میں میر جعفر کے قدموں میں دستار رکھ کر مدد طلب کی۔ میر جعفر نے اسے مجبور اجانت کی یقین دہانی کر دیا کہ رخصت کر دیا لیکن

میں نے ان کا کان کھٹوا دیا ہے چاہے کسی سے اپائی تھی۔ اس بغض اور کینہ پروری میں دانا شاہ نے میر جعفر کے دادا ابو میر کا نام لے کر سرائے اللہ روہ کی وہاں موجودی کی خبر پہنچائی۔ میر جعفر نے فوری طور پر اپنی سپاہوں کی گرفتاری کے لیے روانہ ہو گئی۔

سراج الدولہ ہر جانب سے مصائب میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اس کے ارد گرد کی معتمدین اپنی وہ وقار میں کالجی جوہر مل کر بیٹھے تھے۔ انہوں نے سراج الدولہ کو ہر اعزاز میں اپنی ہاؤس کروایا کہ وہ معمولی طور پر جنگ پار بیٹھے ہیں۔ اب بھاء کی واحد صورت حال یہی ہے کہ وہ مرشد آباد میں جاؤں گے یا کوئی فوج منظم کرے اور پٹنہ سے بھی مدد طلب کرے۔ اس کی راہیں تک دو یہاں مختار منہا لے دیں گے۔

☆ ☆ ☆
ہوا اپنے بستر پر لیٹی جالی انھوں سے چھت کو گھور رہی تھی۔ اس کا چہرہ مڑوں سے بھی زیادہ زرد ہو چکا تھا۔ شرابوں کی شہایت نامہ آنکھیں بے روشنی اور بوخت ہے طرح چڑک رہی تھیں۔ روشنی بالی اچھے ہونے اور لباس سخت ملا ہوا تھا۔ اس جالی الخفی کے عالم میں اسے اپنے پاس ایک آہٹ نے چھکار دیا۔ اس نے حالت بے ہوشی میں اپنی نگاہ اس جانب دوڑائی اور اپنا دیرینہ کینہ کو ماننے کا کمر چڑھ گیا۔ دل میں مردانہ کی یاد نے شہید کی چلی بھری تھی۔

اس کے کانوں تک اور اگلیاں گل سر کر شدہ متعفن ہو چکی تھیں۔ وہ جزام کے مرض میں مبتلا ہو چکا تھا۔ خدمت گار بھی اس کے پاس جانے سے معین نکھڑتے تھے۔ ہر ایک دروازہ اپنی قفلیت کے باوجود اس سے ملاقات کے لیے بچاؤ کرتی۔

”ہوا آہ بیوا! میں علم تھا کہ تم ہم سے ملے ضرور آؤ گی۔ تم ہمیں بھی تنہا نہیں چھوڑ دو گی۔ تمہیں تو ہم سے بہت محبت تھی۔ تم بھلا نہیں تھا کیسے چھوڑ سکتی تھیں۔“ میر جعفر ایک کر رہ لگا۔

”محبت؟ تم سے۔ ایک ہل کے لیے بھی نہیں۔“

دو چھارت سے بولی۔